ڈاکٹر رخسانہ بلوچ*

بیسویں صدی کی ابتدائی نظم نگاری میں مناظر فطرت

Abstract: *Nature have a great influence in human life and vice versa. The poets and writers being eyes of every society see both the influences and mention them in their writings for society's awareness. Industrial and scientific development and advancement have very bad effects on nature causing unavoidable and cureless destruction to human society. The poets and writers fulfill their duties to keep aware human society to the upcoming destructions due to human influence in nature. This paper is a brief account of presentation of nature in initial stages of twentieth centuries Urdu poems.*

ابتدا میں انسان فطرت کے بہت قریب تھا اس کی زندگی سے متعلق ساری چیزوں کا بلاواسطہ تعلق فطرت سے تھا، رفتہ رفتہ تمدن نے انسان کو فطرت سے دور کرنا شروع کیا۔ تہذِیب جہاں تمدن کی ترقی یافتہ شکل ہے وہاں زائد از فطرت بھی ہے۔ ہندوستانی تہذیب میں کتابوں کے سرورق اور دیباچوں کے کناروں پر بیل بوٹے بنانے کا رواج تھا دیباچے کا دیبا بھی شاید اسی کی غمازی کرتا ہے۔ فطرت سے دوری کا انسانی زندگی اور انسانی فطرت پر بے حد منفی اثر رہا اور اسی سبب سے جدید تہذیب انسان کو فطرت کے قریب لانے کی کوششوں میں ہے۔ مثلاً جنگلات اور درختوں کی کمی نے فطری ماحول کو بہت نقصان پہنچایا اور زمینی کٹاؤ اور ماحولیاتی آلودگی کا بڑا سبب بھی درختوں کی کمی بنی۔ درخت جہاں ماحولیاتی آلودگی میں کمی کرتے ہیں وہاں زندگی میں خوب صورتی بھی لاتے ہیں۔ اور فطری ماحول کو محفوظ تر اور خوب صورت بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جدید دور کا ادیب اور شاعر اس نقصان کو محسوس کر رہا ہے اور اس کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنا کر انسانوں کو اس کی اہمیت یاد دلاتا ہے۔ ایسے کئی مناظر ہمیں بیسویں صدی کی ابتدائی نظم میں بھی ملتے ہیں جو زندگی کی علامت تھے، یہ شاید انگریزی نظم کے اثرات کی وجہ سے بھی تھا اسی طرح یہ مناظر فطرت ہمیں تہذیبوں کے تقابلی مطالعے سے بھی آشنا کرتے ہیں۔

تہذیب اپنے ساتھ تاریخ، معاشرہ، اور سماجی علوم سے واقفیت رکھتی ہے۔ اس کا انسانی نفسیات سے بھی تعلق ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو ماورائے انسان ہے، اور نطق نہیں رکھتی، وہ فطرت میں شامل ہے۔ انگریزی زبان و ادب سے پیشتر اُردو کے دکنی عہد کی تخلیقات میں پھول بن اور قطب مشتری میں فطرت نگاری کے نمونے مل جاتے ہیں۔ مثنوی سحر البیان میں بھی فطرت نگاری کے بے مثل نمونے مل جاتے ہیں، اس طرح اردو کی دیگر اصناف سخن میں بھی مرثیہ وغیرہ میں اس کے نمونے مل جاتے ہیں۔ اردو میں فطرت نگاری مجسم اور متحرک نظر آتی ہے۔ فطرت کے دو پہلو ملتے ہیں، ایک فطرت انسان سے بے نیاز اور دوسرا فطرت انسان کی نیاز مند۔ انسان کے تابع

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد۔

فطرت کا ہونا اردو مرثیہ میں زیادہ ملتا ہے۔ میر انیس کا ایک بند اس ضمن میں ملاحظہ ہو:

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جابجا وہ گہر ہائے آب دار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے نخل گلشن زہرہ جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے(۱)

شبنم بے نیاز نہیں ہے، اسے معلوم ہے کہ نخل گلشن زہرا بے آب ہیں۔ تو وہ گلوں کے ساغر میں حاضر ہو گئی۔

تہذیبی اعتبار سے سکندر باغ، قیصر باغ، چار باغ، عالم باغ لکھنؤ میں اور دوسرے شہروں میں بھی باغوں کا ایک حصہ ہے، کسی بھی واقعے کے پس منظر میں یہ منظر نامہ شاعر کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ قرآن میں بھی جنت کے معنی باغ کے ہیں۔ اس حوالے سے تہذیبی، فکری اور مذہبی حوالوں سے باغ انسانی نفسیات کا اہم حصہ ہے۔ مسعود حسن رضوی ادیب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ہر منظر کا پس منظر اور مرثیہ تمثیل اور تمثیل کے لیے ڈراما اور ڈرامے کے لیے منظر و پس منظر لازمی و ناگزیر ہیں۔ اردو شاعری میں جہاں جہاں بھی مناظر فطرت ملتے ہیں، وہ ساکت ہیں، لیکن مراثی میں متحرک بھی ملتے ہیں، اس روایت کا باقاعدہ آغاز میر انیس نے کیا تھا، جس میں پھول، کلیاں وغیرہ گفتگو کرتے ہیں۔ خاموش نہیں ہیں۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے اردو شاعری میں مناظر فطرت خالص تہذیبی پس منظر میں شامل تھے۔ بعد میں جوش ملیح آبادی کی نظموں میں بھی یہ متحرک مناظر ہیں لیکن اسے ہم انیس کا تتبع کہیں گے۔

انگریزوں کی تعلیمی پالیسی میں انجمن پنجاب کا بھی ایک اہم کردار ہے۔ انجمن پنجاب کے جہاں اور بہت سے مقاصد تھے وہاں ایک مقصد انگریزی شعرا سے استفادہ بھی تھا۔ وہ اصلاحی رجحان جس کے تحت حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں فرسودہ مضامین اور بے جا مبالغے کو چھوڑنے کا مشورہ دیا تھا۔ آزاد نے بھی فرسودہ خیال موضوعات سے ہٹ کر نئے اور اچھوتے مضامین نظم کرنے پر زور دیا۔ آزاد نے انگریزی ادب سے استفادے کا مشورہ بھی دیا:

> ۔ نئے انداز کے خلعت و زیور جو آج کے مناسبِ حال ہیں وہ انگریزی صندوقوں میں بند ہیں کہ ہمارے پہلو میں دھرے ہیں اور ہمیں خبر نہیں۔ ہاں صندوقوں کی کنجی ہمارے ہم وطن انگریزی دانوں کے پاس ہے۔"(۲)

اس کی وجہ سے نظم نگاری میں مناظر فطرت اور وطن سے محبت کے موضوعات یعنی حقیقت نگاری یا نیچرل شاعری کے طور پر مستعمل ہوئے۔ اس ضمن میں انجمن کے گیارہ مشاعرے ہوئے۔ پہلا مشاعرہ اپریل ۱۸۷۴ء میں ہوا۔ یہ مشاعرہ نہیں بلکہ اجلاس تھا جس میں آزاد نے لیکچر دیا اور ایک موضوعی نظم سنائی۔(۳)

دوسرے مشاعرے میں جو کہ پہلا باقاعدہ مشاعرہ تھا ۳۰ مئی ۱۸۷۴ء کو ہوا جس کا موضوع 'برسات' تھا۔ آزاد نے اس میں نظم 'ابرِ کرم' پڑھی۔ تیسرا مشاعرہ 'زمستاں'؛ چوتھا مشاعرہ 'امید'؛ پانچواں مشاعرہ 'حب وطن'؛ چھٹا مشاعرہ 'امن'؛ ساتواں مشاعرہ 'انصاف'؛ آٹھواں مشاعرہ 'مروت' نواں مشاعرہ 'قناعت'؛ دسواں مشاعرہ 'تہذیب' اور گیارھواں مشاعرہ 'اخلاق' عنوانات تھے۔

ان مشاعروں میں شرکت کرنے والے شعرا میں مولانا محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، الطاف علی، ذوق کاکوروی، انور حسین ھما، مرزا اشرف بیگ، قادر بخش، الٰہی بخش رفیق، مقرب علی، مضطر، راحت، فکری دہلوی، عطااللہ خاں عطا، کرشن لعل طالب، گل محمد عالی، مصرام داس قابل، علاؤالدین صافی، لالہ گنڈامل، حقیر لکھنوی، کچھمن داس برہم، فصیح الدین رنج، اکبر خاور، کرشن لعل ھما، تارا چند لاہوری، دین دیال عاجز، بلند لاہوری، جوالا سہائے خرم، حیات فیض لاہوری وغیرہ اہم ہیں۔

اردو کے قدیم طرز شاعری میں مناظر فطرت باقاعدہ موضوع نہیں تھے، بیسویں صدی کی ابتدائی نظم نگاری میں انھیں باقاعدہ موضوعات کے طور پر استعمال کیا گیا، اس ضمن میں ڈاکٹر سہیل احمد خاں لکھتے ہیں:

> "نئی شعریات کے علمبرداروں کے نزدیک پرانی شاعری میں ہندوستان کی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔۔۔ قدیم شاعر مظاہر اور موجودات کو علامتیں فرض کرتے تھے، مگر نئی منطق کا تقاضا تھا کہ مظہر اور موجودات کو فی نفسہ شاعری میں جگہ دی جائے۔"(۴)

اگر مناظر فطرت یا ہندوستانی ماحول کی عکاسی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کئی مثالیں بھی مل جاتی ہیں، جیسے قلی قطب شاہ کی موضوعاتی نظمیں جن میں ہندوستان کے تہواروں، میلوں، اور تقریبوں مثلاً بسنت، نوروز، شاہی میلوں، مرگ، شب برات، برسات وغیرہ کو موضوع بنایا گیا اور اسی طرح نظیر اکبر آبادی نے میلوں ٹھیلوں، رسوم و رواج، تہواروں، معاشرے کی عکاسی، اخلاقی تعلیم، اور لوگوں کی عادات کو نظم کا موضوع بنایا جیسے ان کی نظمیں، شب برات، عید الفطر، بسنت، ہولی، دوالی، راکھی، کبوتر بازی، ریچھ کا بچہ، طفلی، بنجارا، آدمی نامہ، برسات کی بہاریں، پنکھا، تربوز، ککڑی، آندھی، دنیا، آئینہ، پیسے کی فلاسفی، افلاس کا فوٹو، چوہوں کا اچار، جوگی، بانسری، اور مہادیو کا بیاہ وغیرہ ملتی ہیں۔

اسی طرح اگر ترکیب بند، مثنوی، مخمس، مسدس، شکار نامے، سوانحی نظمیں، قصائد، مراثی، شہر آشوب، اور ہجو وغیرہ کو بھی شامل کیا جائے تو اس کی فہرست خاصی طویل ہو سکتی ہے جس میں نہ صرف ہندوستانی ماحول بلکہ مناظر فطرت کی جھلک بھی نظر آتی ہے، اس ضمن میں محمد افضل جھنجھانوی، جعفر زٹلی، فائز، حاتم، ناجی، آبرو، شفیق اورنگ آبادی، شاکر ناجی، میر تقی میر، سودا، قائم چاند پوری، میر ضمیر، میر خلیق، میر انیس، مرزا مونس، انشااللہ خاں انشا، ذوق اور مومن جیسے کئی نام شامل کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر سہیل احمد خاں کی اس بات سے اتفاق کیا جاسکتا ہے اس کو شعریات کا درجہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ اور یہ نئی شعریات بیسویں صدی کے اوائل میں شروع ہوئی۔

انجمن پنجاب سے ہٹ کے بھی کئی شعرا نے اس نئی شعریات کو اپنایا۔ اس دور کی نظموں کے موضوعات، موسم گرما کا آخری گلاب، تیتری، کنول کا پھول، فضائے برشگال، برکھارت، صبح کی آمد، بارش کا پہلا قطرہ، چمن کی سیر، کوہستان ہمالہ، گل رنگیں، ابر کہسار،

آفتابِ صبح، موج دریا، چاند، سمندر کے کنارے، دیہات کا نغمۂ سحری، لیلائے شب، بانسری کی آواز، تاروں بھری رات میں ڈل کے کنارے پر، قوس قزح، بسنت کی بہار، سمندر جھاگ، روضہ تاج محل، برسات کی شام، بھنورا، متوالی کویل، جھولا، پھاگن کا پہلا دن، پنجاب کے میدان وغیرہ ہیں۔ اس دور کی نظموں میں اقبال کی نظموں میں خاص طور پر مناظر فطرت کی عمدہ عکاسی ہے۔

اگرچہ اس دور کی شاعری میں فطرت کا خارجی زاویہ تو سامنے آتا ہے لیکن اس پر شاعری کا ویسا داخلی ردعمل نظر نہیں آتا جیسا انگریزی شاعری کا خاصہ تھا۔ اس دور میں انگریزی کی بہت سی نظموں کے اردو تراجم ہوئے، ۱۸۶۷ء میں مولوی اسماعیل میرٹھی نے انگریزی کی چار نظموں کے منظوم ترجمے کیے۔(۵)

اسی طرح شرر اور نظم طباطبائی نے بھی انگریزی فن پاروں کے منظوم تراجم کیے۔

بیسویں صدی کی ابتدائی نظموں کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ پہلا دور انجمن پنجاب لاہور کے مشاعروں میں آزاد و حالی کی شاعری سے شروع ہوا۔

۲۔ دوسرے دور کا آغاز رسالہ مخزن کے ذریعہ سر عبد القادر کی ادبی مساعی کا رہین منت ہے۔

۳۔ تیسرے دور کی ابتدا انجمن ارباب علم پنجاب کے اردو شاعری کے متعلق اصلاحی پروگرام سے ہوتی ہے۔

پہلا دور:

پہلے دور کی واضح خصوصیت یہ ہے کہ اردو شاعری نے وسعت حاصل کی۔ حسن و عشق کی قصیدہ خوانیوں کے ساتھ اخلاقی، تاریخی، ملی، وطنی، نیچرل نظمیں بھی کہی گئیں۔ مگر چونکہ اس دور کا آغاز انھیں سحر نگاروں کے ہاتھوں ہوا جن کی ادبی تربیت اردو شاعری کے قدیم اور فرسودہ ماحول میں ہوئی تھی اس لیے نئے خیالات کو نیا لباس میسر نہ ہو سکا۔ قدیم اسلوب بیان، فنی پابندیوں اور مستعمل تشبیہات و استعارات نے نئی شاعری کو بے نمک کر دیا۔ البتہ مولانا حالی اپنی قادر الکلامی کے زور پر مسدس میں کامیاب ہو گئے۔ باقیوں کو فضل تقدم کے سوا اس دور میں کچھ نہ ملا۔

اس دور کے آغاز کا شرف یوں تو ڈاکٹر لائٹنر انجمن پنجاب اور مولانا آزاد و حالی کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ مگر در حقیقت مرزا غالب اس بنیاد کے لیے زمین پیدا کر چکے تھے۔ 'چکنی ڈلی' پر غالب کی نظم کل کی طرح آج بھی نئی ہے۔

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بہ دنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے
مُہر مکتوب عزیزانِ گرامی لکھیے
حرزِ بازوے شگرفانِ خود آرا کہیے

مسی آلودہ سر سانگشتِ حسیناں لکھیے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے
خاتمِ دستِ سلیماں کے مشانہ لکھیے
سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیے
اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلیٰ کہیے
حجرِ اسودِ دیوارِ حرم کیجیے فرض
نافہ آہوے بیابانِ خُتن کا کہیے
وضع میں اس کو اگر سمجھیے قافِ تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے
صومعے میں اسے ٹھہرایئے گر مُہرِ نماز
میکدے میں اسے خشتِ خُمِ صہبا کہیے
کیوں اسے قُفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے
کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے
کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے
کیوں اسے مَردُمکِ دیدۂ عنقا کہیے؟
کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلیٰ لکھیے
کیوں اسے نقشِ پَا ناقۂ سلمیٰ کہیے
بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجیے فرض
اور اس چکنی سُپاری کو سُویدا کہیے(۲)

حیرت اور تعجب ہے کہ اس دور کا آغاز کرنے والوں نے غالب کی شاعری سے اسلوب بیان میں تبدیلی کیوں نہ پیدا کی۔ غالب کی انوکھی اور اچھوتی ترکیبیں، نادر استعارات و تشبیہات، اور اس کا مجتہدانہ اسلوبِ بیان تو نیم مردہ شعرا میں بھی زندگی پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ پھر ان زندۂ جاوید سحر نگاروں کو کیا ہو گیا تھا کہ انھوں نے اس جدید دور کو کامیاب بنانے میں غالب کی جدت نوائیوں کو فراموش کیے رکھا۔

پھر بھی اس دور کا یہ احسان کچھ کم گراں قدر نہیں ہے کہ اردو شاعری کو ہمہ رنگی حاصل ہونے کے ساتھ اس دور کے طفیل نادرہ نگار حالی سے ایک غیر فانی نظم 'مدو جزر اسلام' ایک ایسی نظم ملی جس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔

دوسرا دور:

اس دور کا آغاز بیسویں صدی کی ابتدا سے ہم آغوش ہے۔ سر عبد القادر نے ۱۹۰۱ء میں انگریزی رسالوں کے طرز پر لاہور سے رسالہ مخزن جاری کیا۔ اس سے پہلے اگرچہ علی گڑھ سے 'معارف' اور 'تہذیب الاخلاق' جیسے بلند پایہ رسالے شائع ہوتے رہے تھے مگر 'معارف' زیادہ تر علمی اور 'تہذیب الاخلاق' اصلاحی اور مذہبی تھا۔ خالص ادبی پرچہ ان میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ باقی لکھنؤ کا پیام یار اور گورکھپور کا فتنہ وغیرہ۔ یہ اور اسی ٹائپ کے دس پانچ اور متغزلین شعرا کے طرحی رسالے تھے جن میں امیر و جلال۔ داغ و تسلیم۔ ریاض و نسیم اور ان کے امتیوں کے مطارحات شائع ہوا کرتے تھے۔

فن کی کارواں در کارواں بند شیں، خیالات اور تشبیہات کی اسلاف پرستانہ قیود اور نگرانیاں ان رسالوں کا اور اس عہد کے متغزلین کی شاعری کا طغرائے امتیاز تھیں۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ جس کے سامنے انگریزی کی بلند معیار اور ذوق افروز شاعری کے نمونے تھے۔ ان قدامت نوائیوں سے رم کرتا تھا۔ اس کے شکسپیر اور شیلے کے سامنے ان کے امیر و جلال کا چراغ نہیں جلتا تھا۔ اس گروہ نے علم و فن تو درکنار ہے زندگی کے ہر شعبے کی قدامت کے خلاف بغاوت برپا کر رکھی تھی۔

اردو ادب اور اس کی پست عاشقانہ شاعری (جو مسلمانوں کے دورِ انحطاط کی صدائے بازگشت کہی جاسکتی ہے) میں ان جدت آشنا طبیعتوں کے لیے سامان دلچسپی کچھ نہ تھا اور اس لیے مغربی تعلیم کا دلدادہ طبقہ ادبیاتِ اردو کے مطالعہ کو فیشن کے خلاف اور اردو شاعری کو بے ہنگام سمجھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔ استادی شاگردی کے کھیل میں مصروف روایتی شعرا صرف شعر سازی میں مصروف تھے، جدید دور کی ضروریات سے وہ نا آشنا تھے۔ ایسے وقت میں سر عبد القادر نے مخزن جاری کر کے اردو زبان پر ایک گرانبار احسان کیا۔ مخزن کو اپنے پسند کی چیز دیکھ کر جدت آشنا حضرات کی نو پیدا شدہ دنیا اس پر ٹوٹ پڑی۔ اور دس سال کے اندر اندر مخزن کے ذریعہ اردو اہل قلم اور شعرا ملک کے ہر گوشے میں پیدا ہو گئے۔ سر عبدالقادر نے مخزن کے ذریعہ اردو کی بلامبالغہ گراں مایہ خدمت انجام دی۔ مخزن کے لیے یہ فخر کچھ کم گرانقدر نہیں ہے کہ علامہ اقبال جیسے یکتائے روزگار شاعر اور مولانا ابوالکلام دہلوی جیسے بے پناہ انشا پرداز پہلے پہل مخزن ہی کے ذریعے روشناس خلق ہوئے۔ مخزن کے بعد زمانہ، ادیب، الندوہ، الناظر، علی گڑھ منتھلی اولڈ بوائز، العزیز، الرفیق، العصر جیسے بلند پایہ رسالوں کی ادبی مساعی بھی اس میں شامل ہو گئی۔

تیسرا دور:

تیسرا دور 'انجمن ارباب علم پنجاب' جو ۱۹۱۸ء کے اواخر میں تاجور نجیب آبادی اور اس کے دوستوں نے مل کر قائم کی تھی۔ انھوں نے اردو مرکز کے نام سے ایک ادارہ بھی بنایا جس میں کئی نامی گرامی ادیبوں کی مشاورت شامل تھی، انھوں نے بہت عمدہ انتخاب

شائع کیے، زیادہ تر کتابیں عطر چند کپور اینڈ سنز نے شائع کیں۔ سر عبدالقادر اس انجمن کے صدر تھے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ اصلاح کی ایک تحریک تھی، جس کا اثر اردو شاعری پر بھی ہوا، خاص طور پر نظم نگاری میں اس کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ بیسویں صدی کی ابتدائی نظموں میں مناظر فطرت کے چند قابل ذکر نمونے ملاحظہ فرمائیں:

الطاف حسین حالی:

برکھارت:

اس نظم میں پہلے گرمی کی شدت کا بیان ہے۔ لیکن اس میں وہ داخلی کیفیت نہیں ملتی جو انیس کے مرثیے میں کربلا میں گرمی کی شدت کے ضمن میں بیان ہوئی ہے، انیس کہتے ہیں:

مردم تھی سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خس خانہ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑجائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

ہندوستان کا ماحول انگلستان کے ماحول سے مختلف ہے، انگریزی شاعری میں ہمیں گرمی کی شدت کا وہ مضمون کبھی نہیں مل سکتا جو ہندوستان کا شاعر بیان کرسکتا ہے۔ انگلستان اپنے سرد موسم کی وجہ سے مشہور ہے، وہاں انیس کے مصرعہ:

بھن جاتا تھا دانہ جو گرتا تھا زمیں پر

کا انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے یہ وہ مضمون تھا جس میں خالص ہندوستانی ماحول کی عکاسی ممکن تھی۔ فطرت کا یہ رنگ مغرب کے تقلیدی رنگ سے بے نیاز تھا۔

حالی کی برکھارت میں گرمی کا بیان یوں ہے:

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار
اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار
بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا
اور کھول رہا تھا آبِ دریا
تھی لوٹ سی پڑرہی چمن میں
اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں

ذیل میں اس عہد کے نمائندہ نظم گو شعرا کی اہم نظموں کے عنوانات پیش کیے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس دور میں مناظر فطرت کی عکاسی میں شعرا کا رجحان کیسا تھا۔

محمد حسین آزاد کی نظمیں: شام کی آمد اور رات کی کیفیت۔ ابر کرم۔ شب سرما۔

مولانا محمد اسماعیل میرٹھی کی نظمیں: قلعہ اکبر آباد۔ شام کا جھٹ پٹا۔

اکبر الہ آبادی کی نظمیں: آب لوڈور۔ جلوہ دربار دہلی۔

احمد علی شوق قدوائی لکھنوی کی نظمیں: ہندوستان کی حسین لڑکی اور اس کی ہنسی۔ جنگل۔ مور۔ باغ و بہار۔ بندھیاچل کی چاندنی رات۔ آمد بہار۔ جنگل کی رات۔ بادل کا پھٹنا۔ برسات کی شام۔

علامہ اقبال کی نظمیں چونکہ مقبول عام ہیں اس لیے مثالوں کی بجائے صرف عنوانات ملاحظہ ہوں، جیسے جگنو، ماہ نو، نمود صبح، گھٹا، چاندنی رات، کنار راوی، صبح، خاموشی، اور حسن وغیرہ مناظر فطرت کی عکاسی میں اہم نظمیں ہیں۔

پنڈت میلارام وفا کی نظمیں: شام غربت۔ کسان۔ ڈیک۔

منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی کی نظمیں: بیر بہوٹی۔ گنگا۔ جمنا۔

چکبست لکھنوی کی نظمیں: برسات۔ کشمیر۔

نادر کاکوروی کی نظم دھرتی ماتا۔

میر غلام بھیک نیرنگ کی نظمیں: نیرنگ شفق۔ عید بہاراں۔ فصل بہار۔ برکھارت۔

جلیل قدوائی کی نظم ابر بہار۔

تلوک چند محروم کی اہم نظمیں، تصویر بہار، آندھی، وقتِ سحر، شملہ، پنجاب کے میدان، نور جہاں کا مزار، فصل بہار، باد بہاری چلی، وغیرہ ہیں۔

منشی مہاراج بہادر برق دہلوی کی نظمیں: جوش بہار۔ شب ماہتاب۔ ستارہ صبح۔ ڈیلیا کا پھول۔ جلوہ قدرت۔

منشی پیارے لال شاکر میرٹھی ایڈیٹر العصر کی نظمیں: جلوہ سحر۔ مناظر۔ جنگل کی برسات۔

جوش ملیح آبادی کی نظمیں: آمد شباب۔ شفق۔ جنگل کی شہزادی۔ گرمی۔ فصل بہار۔ طوفان بے ثباتی۔ زمزمہ سحر۔ بہار کا نغمۂ خونیں۔ مناظر سحر۔ رات۔

مناظر فطرت پر اردو شاعری کے کئی اچھے انتخاب بھی ملتے ہیں، جن میں الیاس برنی اور تاجور نجیب آبادی کے انتخاب زیادہ اہم ہیں۔

نظموں کے انتخاب پر محمد الیاس برنی نے ۱۹۱۹ء میں معارف ملت، مناظر قدرت اور جذبات فطرت کے نام سے کتابوں کے سیٹ شائع کیے، معارف ملت کی تین جلدیں تھیں، پہلی جلد: متعلق دینیات، حمد، نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں۔ جلد دوم: متعلق

اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں۔ جلد سوم: متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق درد مند اور وطن پرست شاعروں کا کلام۔ اس جلد میں شہر آشوب بھی شامل ہیں۔

جذبات فطرت کی چار جلدیں تھیں۔ جلد اول: میر و سودا کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب۔ جلد دوم: غالب، ذوق، ظفر اور حسرت موہانی وغیرہ کے کلام کا انتخاب۔ جلد سوم: تیس قدیم، مستند اور باکمال شعرا کا انتخاب۔ جلد چہارم: ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعرا کا کلام۔

مناظر قدرت کی بھی چار جلدیں تھیں۔ جلد اول: متعلق اوقات، یعنی صبح، شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر کی نظموں کا انتخاب۔

جلد دوم: متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت، باغات، شہر اور عمارات۔ وغیرہ پر نظموں کا انتخاب۔

جلد سوم: متعلق نباتات و حیوانات۔ یعنی پھول، پھل، کیڑے، پتنگے، تتلیاں، چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ پر نظموں کا انتخاب۔

جلد چہارم: متعلق عمرانیات، یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید، تیوہار، غمی، شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں، جلسے، کھیل تماشے، وضع لباس، صورت، شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم۔ وغیرہ پر نظموں کا انتخاب۔ (۷)

تاجور نجیب آبادی نے اردو مرکز لائبریری کے نام سے کئی انتخاب شائع کئے، جن میں تصویر مناظر کی جلد اول خصوصاً اردو نظموں میں مناظر فطرت کی عکاسی کے انتخاب پر ہے۔ اسے قدرتی نظموں کا علمی انتخاب کہا گیا ہے۔ یہ انتخاب عطر چند کپور اینڈ سنز لاہور شائع کرتا تھا جس میں اردو مرکز نام کا ایک ادارہ تھا جس کے کئی نامور شعرا اور ادیب اراکین تھے۔ (۸)

حوالاجات:

۱۔ ابن سعید، مرتب، انتخاب انیس، دوسرا حصہ، الہ آباد: قمر پاکٹ بک سیریز، چوک الہ آباد، نمبر ۳، بار اول، ۱۹۶۲ء، ص ۶۰

۲۔ آزاد، محمد حسین، نظم آزاد، مرتبہ آغا محمد باقر، لاہور: کریمی پریس، ۱۹۲۶ء، ص ۲۵

۳۔ انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۵ء، ص ۳۸۸

۴۔ سہیل احمد خاں، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند، اردو ادب جلد ۴، لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، ۱۹۷۲ء، ص ۲۹۹

۵۔ خلیل الرحمن اعظمی، 'اردو نظم کا نیا رنگ و آہنگ' مشمولہ مجلہ سوغات، جدید نظم نمبر، شمارہ ۸۔۷، ص ۸۷

۶۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب، دیوان غالب، مرتبہ حامد علی خاں، لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، ۱۹۶۹ء، ص ۲۰۷۔۲۰۸

۷۔ محمد الیاس برنی، جذبات فطرت، جلد اول، جلد دوم، جلد سوم، علی گڑھ: مطبع مسلم یونی ورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ، ۱۹۲۴ء

۸۔ تاجور نجیب آبادی، تصویر مناظر، جلد اول، لاہور: عطر چند کپور اینڈ سنز، س ن